إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾

اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔ (۲۷)

رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے[2] اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔[3] (۲۸)

پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔[1] (۲۶)

سُورَةُ الْجِنِّ

سورۂ جن مکی ہے اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴿١﴾

(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت[4] نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم

---

(۱) یہ بددعا اس وقت کی جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے اور اللہ نے بھی اطلاع کردی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ (ہود' ۳۶) دَیَّارٌ، فَیْعَالٌ کے وزن پر دَیْوَارٌ ہے۔ واؤ کو یا سے بدل کر ادغام کر دیا گیا' مَنْ يَسْكُنُ الدِّيَارَ مطلب ہے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

(۲) کافروں کے لیے بددعا کی تو اپنے لیے اور مومنین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

(۳) یہ بددعا قیامت تک آنے والے ظالموں کے لیے ہے جس طرح مذکورہ دعا تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں کے لیے ہے۔

(۴) یہ واقعہ سورۂ احقاف' ۲۹ کے حاشیے پر گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ وادی نخلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ کچھ جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا۔ جس سے وہ متاثر ہوئے۔ یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ اس وقت جنوں کا قرآن سننا' آپ کے علم میں نہیں آیا' بلکہ وحی کے ذریعے سے آپ کو اس سے آگاہ فرمایا گیا۔

نے عجیب قرآن سنا ہے۔[1] (۱)

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲

جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔[2] ہم اس پر ایمان لا چکے[3] (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے۔[4] (۲)

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳

اور بیشک ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا۔[5] (۳)

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴

اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کہا کرتا تھا۔[6] (۴)

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ

اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور

---

(۱) عَجَبًا ' مصدر ہے بطور مبالغہ۔ یا مضاف محذوف ہے۔ذَا عَجَبٍ یا مصدر' اسم فاعل کے معنی میں ہے مُعْجِبًا۔ مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قرآن سنا ہے جو فصاحت و بلاغت میں بڑا عجیب ہے یا مواعظ کے اعتبار سے عجیب ہے یا برکت کے لحاظ سے نہایت تعجب انگیز ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست یعنی حق و صواب کو واضح کرتا یا اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے۔

(۳) یعنی ہم نے تو اس کو سن کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے' کسی انسان کا نہیں' اس میں کفار کو توبیخ و تنبیہ ہے کہ جن تو ایک مرتبہ سن کر ہی اس قرآن پر ایمان لے آئے' تھوڑی سی آیات سن کر ہی ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے لیکن انسانوں کو' خاص طور پر ان کے سرداروں کو اس قرآن سے فائدہ نہیں ہوا' دراں حالیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انہوں نے متعدد مرتبہ قرآن سنا' علاوہ ازیں خود آپ ﷺ بھی ان ہی میں سے تھے اور ان ہی کی زبان میں آپ ان کو قرآن سناتے تھے۔

(۴) نہ اس کی مخلوق میں سے' نہ کسی اور معبود کو۔ اس لیے کہ وہ اپنی ربوبیت میں متفرد ہے۔

(۵) جَدُّ کے معنی عظمت و جلال کے ہیں یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی اولاد یا بیوی ہو۔ گویا جنوں نے ان مشرکوں کی غلطی کو واضح کیا جو اللہ کی طرف بیوی یا اولاد کی نسبت کرتے تھے' انہوں نے ان دونوں کمزوریوں سے رب کی تنزیہ و تقدیس کی۔

(۶) سَفِيْهُنَا (ہمارے بیوقوف) سے بعض نے شیطان مراد لیا ہے اور بعض نے ان کے ساتھی جن اور بعض نے بطور جنس۔ یعنی ہر وہ شخص جو یہ گمان باطل رکھتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ شَطَطًا کے کئی معنی کیے گئے ہیں' ظلم' جھوٹ' باطل' کفر میں مبالغہ وغیرہ۔ مقصد' راہ اعتدال سے دوری اور حد سے تجاوز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ اللہ کی اولاد ہے ان بے وقوفوں کی بات ہے جو راہ اعتدال و صواب سے دور' حد سے متجاوز اور کاذب و افترا پرداز ہیں۔

كَذِبًا ۝

جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں۔[1] (۵)

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝

بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے[2] جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے۔[3] (۶)

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝

اور (انسانوں) نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا (یا کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا)[4] (۷)

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۝

اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پر پایا۔[5] (۸)

وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ۝

اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔[6] اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔[7] (۹)

---

(۱) اسی لیے ہم ان کی تصدیق کرتے رہے اور اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے قرآن سنا تو پھر ہم پر اس عقیدے کا بطلان واضح ہوا۔

(۲) زمانۂ جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ سفر پر کہیں جاتے تو جس وادی میں قیام کرتے، وہاں جنات سے پناہ طلب کرتے، جیسے علاقے کے بڑے آدمی اور رئیس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ اسلام نے اس کو ختم کیا اور صرف ایک اللہ سے پناہ طلب کرنے کی تاکید کی۔

(۳) یعنی جب جنات نے یہ دیکھا کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری پناہ طلب کرتے ہیں تو ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہو گیا۔ رَهَقًا۔ یہاں سرکشی، طغیانی اور تکبر کے مفہوم میں ہے۔ اس کے اصل معنی ہیں گناہ اور محارم کو ڈھانکنا یعنی ان کا ارتکاب کرنا۔

(۴) يَبْعَثُ کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔

(۵) حَرَسٌ، حَارِسٌ (چوکیدار، نگران) کی اور شُهُبٌ، شِهَابٌ (شعلہ) کی جمع ہے۔ یعنی آسمانوں پر فرشتے چوکیداری کرتے ہیں کہ آسمانوں کی کوئی بات کوئی اور نہ سن لے اور یہ ستارے آسمان پر جانے والے شیاطین پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔

(۶) اور آسمانی باتوں کی کچھ سن گن پا کر کاہنوں کو بتلا دیا کرتے تھے جس میں وہ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیا کرتے تھے۔

(۷) لیکن بعثت محمدیہ کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اب جو بھی اس نیت سے اوپر جاتا ہے، شعلہ اس کی تاک میں ہوتا ہے اور ٹوٹ کر اس پر گرتا ہے۔

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے۔[1] (۱۰)

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾

اور یہ کہ (بیشک) بعض تو ہم میں نیکو کار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں سے بٹے ہوئے ہیں۔[2] (۱۱)

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

اور ہم نے سمجھ لیا[3] کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کرسکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔ (۱۲)

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾

ہم تو ہدایت کی بات سنتے ہی اس پر ایمان لاچکے اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم وستم کا۔[4] (۱۳)

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں[5] پس جو فرماں بردار ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا۔ (۱۴)

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔[6] (۱۵)

---

(۱) یعنی اس حراست آسمانی سے مقصد اہل زمین کے لیے کسی شر کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا یعنی ان پر عذاب نازل کرنا ہے یا بھلائی کا ارادہ یعنی رسول بھیجنا ہے۔

(۲) قِدَدٌ' چیز کا ٹکڑا' صَارَ الْقَوْمُ قِدَدًا اس وقت بولتے ہیں جب ان کے احوال ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ یعنی ہم متفرق جماعتوں اور مختلف اصناف میں بٹے ہوئے ہیں۔ مطلب ہے کہ جنات میں بھی مسلمان' کافر' یہودی' عیسائی' مجوسی وغیرہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کی طرح قدریہ' مرجئہ اور رافضہ وغیرہ ہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) ظَنَّ۔ یہاں علم اور یقین کے معنی میں ہے' جیسے اور بھی بعض مقامات پر ہے۔

(۴) یعنی نہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان کی نیکیوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی کر دی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف کہ ان کی برائیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

(۵) یعنی جو نبوت محمدیہ پر ایمان لائے وہ مسلمان اور اس کے منکر بے انصاف ہیں۔ قَاسِطٌ' ظالم اور غیر منصف اور مُقْسِطٌ' عادل یعنی ثلاثی مجرد سے ہو تو معنی ظلم کرنے کے اور مزید فیہ سے ہو تو انصاف کرنے کے۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی دوزخ اور جنت دونوں میں جانے والے ہوں گے۔ ان میں جو کافر

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾

اور (اے نبی یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافر پانی پلاتے۔ (١٦)

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾

تاکہ ہم اس میں انہیں آزمالیں،(١) اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کردے گا۔(٢) (١٧)

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔(٣) (١٨)

ہوں گے وہ جہنم میں اور مسلمان جنت میں جائیں گے۔ یہاں تک جنات کی گفتگو ختم ہو گئی۔ اب آگے پھر اللہ کا کلام ہے۔

(١) أَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا، أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ پر عطف ہے یعنی یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ ..... الطَّرِيْقَةِ سے مراد راہ راست یعنی اسلام ہے۔ غَدَقٌ کے معنی کثیر۔ وافر پانی سے مطلب دنیوی خوش حالی ہے۔ یعنی دنیا کا مال و اسباب دے کر ہم ان کی آزمائش کرتے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الأعراف ٩٦) یہی بات اہل کتاب کے ضمن میں بھی فرمائی گئی ہے۔ سورۂ مائدہ، ٦٦۔ بعض کہتے ہیں اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب کفار قریش پر قحط سالی مسلط کر دی گئی تھی۔ الطَّرِيْقَةِ کے دوسرے معنی گمراہی کے راستے کے کیے گئے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ مادی خوش حالی استدراج کے طور پر ہو گی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ الآیة (الأنعام ٤٤) ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ * نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ..... ﴾ (المؤمنون ٥٥، ٥٦) امام ابن کثیر کے نزدیک لِنَفْتِنَهُمْ کے پیش نظر یہ دوسرا مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے جب کہ امام شوکانی کے نزدیک پہلا زیادہ صحیح ہے۔

(٢) صَعَدًا، أَيْ: عَذَابًا شَاقًّا شَدِيْدًا مُوْجِعًا مُؤْلِمًا (ابن کثیر) نہایت سخت، الم ناک عذاب۔

(٣) مسجد کے معنی سجدہ گاہ کے ہیں۔ سجدہ بھی ایک رکن نماز ہے، اس لیے نماز پڑھنے کی جگہ کو مسجد کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ مسجدوں کا مقصد صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، اس لیے مسجدوں میں کسی اور کی عبادت، کسی اور سے دعا و مناجات، کسی اور سے استغاثہ و استمداد جائز نہیں۔ یہ امور ویسے تو مطلقاً ہی ممنوع ہیں اور کہیں بھی غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے لیکن مسجدوں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے۔ اگر یہاں بھی غیر اللہ کو پکارنا شروع کر دیا گیا تو یہ نہایت ہی قبیح اور ظالمانہ حرکت ہو گی۔ لیکن بدقسمتی سے بعض نادان مسلمان اب مسجدوں میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ بلکہ مسجدوں میں ایسے کتبے آویزاں کیے ہوئے ہیں، جن میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے استغاثہ کیا گیا ہے۔ آہ! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا.

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ
لِبَدًا ۝۱۹

اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں۔(۱) (۱۹)

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۰

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔(۲) (۲۰)

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝۲۱

کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان نفع کا اختیار نہیں۔(۳) (۲۱)

قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ڏ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ
مُلْتَحَدًا ۝۲۲

کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا(۴) اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی پا نہیں سکتا۔(۲۲)

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝۲۳

البتہ (میرا کام) اللہ کی بات اور اس کے پیغامات (لوگوں کو) پہنچا دینا ہے،(۵) (اب) جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔(۲۳)

حَتّٰٓي اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ
نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝۲۴

(ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے(۶) پس عنقریب جان لیں گے کہ

---

(۱) عَبْدُ اللّٰهِ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مطلب ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اس کے اور بھی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن امام ابن کثیر نے اسے راجح قرار دیا ہے۔

(۲) یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہو گئے اور تل گئے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

(۳) یعنی مجھے تمہاری ہدایت یا گمراہی کا یا کسی اور نفع نقصان کا اختیار نہیں ہے، میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں جسے اللہ نے وحی و رسالت کے لیے چن لیا ہے۔

(۴) اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور وہ مجھے اس پر وہ عذاب دینا چاہے۔

(۵) یہ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ سے مستثنیٰ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ سے مستثنیٰ ہو، یعنی اللہ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ تبلیغ رسالت کا وہ فریضہ بجا لاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے مجھ پر واجب کی ہے۔ رِسَالَاتِهٖ کا عطف اللہ پر ہے، یا بَلَاغًا پر۔ یا پھر عبارت اس طرح ہے۔ إِلَّا أَنْ أُبَلِّغَ عَنِ اللّٰهِ وَأَعْمَلَ بِرِسَالَتِهٖ. (فتح القدير)

(۶) یا مطلب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی عداوت اور اپنے کفر پر مصر رہیں گے، یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں وہ عذاب دیکھ لیں، جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔[1] (۲۴)

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

کہہ دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے دور کی مدت مقرر کرے گا۔[2] (۲۵)

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ (۲۶)

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرلے[3] لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کردیتا ہے۔[4] (۲۷)

لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

تاکہ ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے[5] اللہ تعالیٰ نے انکے آس پاس (کی تمام چیزوں)

---

(۱) یعنی اس وقت ان کو پتہ لگے گا کہ مومنوں کا مددگار کمزور ہے یا مشرکوں کا؟ اور اہل توحید کی تعداد کم ہے یا غیر اللہ کے پجاریوں کی؟ مطلب یہ ہے کہ پھر مشرکین کا تو سرے سے کوئی مددگار ہی نہیں ہوگا اور اللہ کے ان گنت لشکروں کے مقابلے میں ان مشرکین کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر ہی ہوگی۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ عذاب یا قیامت کا علم' یہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ قریب ہے یا دور؟

(۳) یعنی اپنے پیغمبر کو بعض امور غیب سے مطلع کردیتا ہے جن کا تعلق یا تو اس کے فرائض رسالت سے ہوتا ہے یا وہ اس کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ کے مطلع کرنے سے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ پیغمبر بھی اگر عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے غیب کے اظہار کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کا اظہار اسی وقت اور اسی رسول پر کرتا ہے' جس کو پہلے اس غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس لیے عالم الغیب صرف اللہ ہی کی ذات ہے' جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

(۴) یعنی نزول وحی کے وقت' پیغمبر کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جو شیاطین اور جنات کو وحی کی باتیں سننے نہیں دیتے۔

(۵) لِیَعْلَمَ میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تاکہ آپ جان لیں کہ آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اللہ کا پیغام اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ نے پہنچایا۔ یا نگران فرشتوں نے اپنے رب کا پیغام پیغمبر تک پہنچا دیا ہے اور بعض نے اس کا مرجع اللہ کو بنایا ہے۔ اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی فرشتوں کے ذریعے سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی صحیح طریقے سے کرسکیں۔ نیز وہ اس وحی کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو پیغمبروں کو کی جاتی ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات لوگوں تک ٹھیک